[illegible]

سچ

قیمت سالانہ سے

بیرون ہند سے ۸ شلنگ

قیمت ششماہی عہ

فی پرچہ ار

نمبر ۴۱ | ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ - ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

"صحابہ کرام اگرچہ آزادی کی بنا پر خلفاء سے مناظرہ کرتے تھے، مباحثہ کرتے تھے، رد و قدح کرتے تھے، اختلاف کرتے تھے، لیکن اختلاف کو قائم نہیں رکھتے تھے۔ ایک بار حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اسے سنت رسولؐ و شیخینؓ کے خلاف پاکر اس پر شدید انکار کیا، لیکن اسکے بعد خود چار رکعت ادا کی، لوگوں نے کہا، یہ کیا؟ ابھی اس قدر انکار تھا، اور پھر خود ہی چار رکعت پڑھی! بولے "اختلاف بری چیز ہے"۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اگرچہ نہایت متبع سنت تھے، اور اس وجہ سے جب منیٰ میں تنہا نماز پڑھتے تھے تو قصر کرتے تھے، لیکن جب امام کے ساتھ نماز کا اتفاق ہوتا، تو اختلاف کے خوف سے چار ہی رکعت ادا فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اختلاف و تشتت سے اس قدر ڈرتے تھے، کہ جن احادیث سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوسکتا تھا، اُنکی روایت سے بھی احتراز فرماتے تھے" (اسوۂ صحابہ، مولانا عبدالسلام، جلد ۲ صفحہ ۳۶-۳۸)

یہ اگر جھوٹی کہانیاں نہیں، سچے واقعات ہیں، تو اس طرز عمل کا اپنے طرز عمل سے مقابلہ کرکے ذرا سوچئے، کہ دونوں میں کوئی بھی مناسبت ہے؟ وہ رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے بول کو دہراتے ہوئے

اس لحاظ سے ڈرتے تھے، کہ کہیں ان سے امت اسلامیہ میں کسی تفرق و اختلاف کی بنیاد نہ پڑ جائے، آپ خود اپنی تحریر، تقریر، گفتگو کے کتنے حصوں کو اس خوف سے منضبط کرپاتے ہیں؟ وہ عبادت کی جن صورتوں کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، اُن تک میں، دوسرے مسلمانوں کی رفاقت و معیت حاصل کرنے کو شریک ہو جاتے تھے، آپ جن صورتوں کو صحیح جانتے ہیں، اُن میں دوسروں کی رفاقت و معیت حاصل کرنے کی کہاں تک پروا کرتے ہیں؟ اُنکو امت محمدیہ، ملت اسلامیہ کی وحدت عزیز تھی، آپ کو اپنی ذات، اپنی بات، اپنی پارٹی، اپنا فرقہ عزیز ہے۔ جب یہ صورت حال ہے تو آخر آپ صحابہ کرام کے عہد زریں کی برکتوں اور رحمتوں، راحتوں اور مسرتوں کو اپنے تاریک دور میں کیوں تلاش فرما رہے ہیں؟

گلہ کا وجود جبھی تک ہے، جب تک سب بھیڑیں ایک ہی راستہ پر چل رہی ہیں، خواہ وہ راستہ کتنا ہی تنگ و تاریک اور ناہموار ہو۔ لیکن ہر بھیڑ اپنی بصارت و بصیرت کے موافق، الگ الگ روشن، کشادہ و ہموار راستہ اپنے لئے چن لے، تو فرمائیے، کہ گلہ کا وجود ایک لمحہ کے لئے بھی قائم رہ سکتا ہے؟ آپ کے رہبروں کی بعض راہیں غلط سہی (اور یقیناً غلط ہوں گی۔ کہ آخر وہ بھی بشر ہی ہیں) لیکن خدارا سوچئے، کہ جماعت کی کیونکر قائم رہ سکتی ہے؟ آیا ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برت کر اُن کے ساتھ رہنے میں، یا اُن پر لعن طعن کرکے اُن سے خانہ جنگی مول لینے میں؟

"م"

پُرانی شاعری اور نئی حقیقت!

ڈیلی میل (لندن) کا وقائع نگار قسطنطنیہ (استانبول) سے خبر دیتا ہے، کہ سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کا وہ مشہور و عالیشان محل، جو کوشک یلدیز کے نام سے اب تک مشہور و موسوم تھا، اس مہینہ کی ۱۰ تاریخ کی شب کو وہ ایک مستقل قمار خانہ اور ناچ گھر کی حیثیت میں تبدیل ہو گیا! اب درمیانی بڑے کمرہ میں تاش، گنجفہ، اور مختلف قمار بازیوں کے لیے میزیں لگی ہوئی ہیں، اور ادھر اُدھر کے کمرے فن رقاصی کی مختلف اصناف و انواع کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں! پہلی شب کو اس مقدس تقریب افتتاح میں سو سے زائد ترکی خواتین ناچ میں شریک ہوئیں، اور آدھی رات گزرنے پر ایک ایک غرفہ روشنیوں سے جگمگا اٹھا!

آج سے کئی سو برس پہلے جب شاعر نے یہ کہا تھا کہ حجاز کے مرتبہ کی بلندی دیکھنا، جب مے خانہ خدا بنگیا، تو ہم اپنی سادہ دلی سے اسے محض ایک شاعرانہ مضمون آفرینی سمجھے تھے۔ کسے خبر تھی، کہ پرانی شاعری کا عکس، اس قدر جلد، اس نئی حقیقت کی شکل میں جلوہ گر ہو سکیگا! کل خوش نصیبی کی انتہا یہ تھی، کہ شرک و معصیت کے اڈے لٹ لٹ کر توحید و عبادت کی آبادیاں قائم ہو رہی تھیں، آج بدبختی کا کمال یہ ہے، کہ خلافت الٰہی و نیابت رسولؐ کی مسندیں اٹھا اٹھا کر انکی جگہ قمار بازی کی بساط بچھ رہی ہے، اور ترکی مردوں اور ترکی عورتوں کے نیم عریاں جسموں کی نمائش آراستہ ہو رہی ہے! وہ دعا بلندوں کی شاعری تھی، یہ ادبار زدوں کی عمر عیاری ہے! بہار اور خزاں، اگل و خار، دونوں بہرحال کسی کی شان غفوری کے کرشمے ہیں!

"طیراً ابابیل" بیسویں صدی میں!

اسی ستمبر کے ۱۰ ستمبر کا ذکر ہے، کہ سرکار انگریزی کے ہوائی دستہ کے ایک افسر، کپتان ہوری اپنے عظیم الشان ہوائی جہاز پر یورپ سے لندن اڑے آ رہے تھے، اور جہاز سطح زمین سے پانچ ہزار فٹ تقریباً ایک میل کی بلندی پر تھا، کہ سامنے سے چڑیوں کا ایک جھنڈ نہیں، بلکہ ایک دل کا دل اڑا جاتے ہوئے آتا دکھائی دیا، اور ان "مشت پر" جانوروں میں کچھ اس بلا کی ہمت و دلیری تھی، کہ بجائے سرکار برطانیہ کے اقبال و حشم کا رعب ان پر غالب آتا، اور وہ عظیم الشان مشین کی ہیبت سے مرعوب ہوتے، الٹی انھوں نے خود انکے دل میں دہشت پیدا کی! کپتان ہوری فرماتے ہیں، کہ آخر کار مجبور ہو کر مجھی کو اپنی مشین کا رخ بدلنا پڑا، اور یوں حادثہ سے بال بال بچت ہو گئی! کپتان صاحب کے اندازہ میں یہ چڑیاں دس لاکھ سے اوپر تھیں، اور بلحاظ قد و جثہ بالکل ابابیل تھیں! یہ روایت ابن بطوطہ کی نہیں، کسی مشرقی شاعر کی بلند پروازی نہیں، بیسویں صدی کے ایک فلک پیما محقق، سرکار دولتمدار کے ایک معزز افسر کی چشم دید سرگذشت ہے، جو ۲۲ - ستمبر ۳۲ء کے ڈیلی ہیرلڈ (لندن) میں شائع ہوئی ہے! روایت پرست بوڑھے کہتے ہیں، کہ انھیں ابابیلوں نے ایک زمانہ میں، خدا کے حکم سے، ایک فیل نشین بادشاہ کو، اسکی گورنمنٹ کو، اسکے جاہ و حشم کو آناً فاناً ملیامیٹ کر دیا تھا۔ درایت پسند نوجوان، کیا آج ریلوں، اسٹیمروں، جہازوں اور ہوائی جہازوں والی سرکاروں کو ان ابابیلوں کی سنگباریوں کی زد سے باہر سمجھتے ہیں؟

"جرائم پیشہ علی برادران"

ضلع میرٹھ کے سردار اقبال علی شاہ، جنکا ذکر آج سے قبل بھی ان صفحات میں آ چکا ہے، اسلام کے وہ قابل صد شکر و مستحق صد فخر فرزند ہیں، جو امسال موتمر کے موقع پر، مکہ معظمہ میں موجود تھے، گو حج سے صرف دو روز قبل، شاہ دمشق حاجیوں کی بھیڑ بھاڑ سے گھبرا کر، لندن روانہ ہو گئے۔ آپ کی زندگی کا خاص کارنامہ یہ ہے، کہ ترکی کی کارروائیاں، اور مسلمانان عالم کی وہ اندرونی رنجشیں، جن تک مغربی جاسوسوں کی بھی نظر نہیں پہونچ سکتی تھی، وہ سب آپنے پوری اُسی شان ترتیب و تجسس، اختراع و افترا، کے ساتھ، جو مغربی وقائع نگاری کے خصوصیات میں ہیں، اپنے آقاؤں تک پہونچا دیں، اور ولایتی اخبارات میں اس موضوع پر ایک دو نہیں، بیسیوں مضامین "طبعزاد" تحریر فرمائے، اور یہ سلسلہ فیض برابر اب تک جاری ہے۔ ان افادات عالیہ کی تازہ ترین قسط وہ ہے، جو ولایتی رسالہ The World Today کے ستمبر نمبر میں شائع ہوئی ہے۔ اس مقالہ گرامی میں، عالم اسلامی کی اندرونی سیاسیات پر ایک "محققانہ" تبصرہ فرمانے کے بعد، "مشرق" کا یہ نمایندہ موتمر (سردار صاحب ہی کے الفاظ میں) بڑے تلطف سے دعوی فرماتا ہے، کہ وہ موتمر میں نمایندہ "مشرق" کی حیثیت سے شریک تھے اور یہ موتمر میں بجائے عالم اسلامی کے مختلف جغرافی حصوں کی نمایندگی ہو رہی تھی، مثلاً نمایندہ مغرب، "نمایندہ شمال"، "نمایندہ جنوب"، اور پھر "نمایندہ شمال و غرب"، "نمایندہ جنوب و مشرق" (و قس علی ہذا) سلطان ابن سعود کے حسن تدبر کی بیجا داد دیتے ہیں، کہ انھوں نے موتمر کو سیاسی بحثوں سے بالکل الگ رکھا اور اپنے دائرہ حکومت میں ان سیاسی فتنہ پردازوں کے قدم نہ جمنے دیے، جن کے باعث سلطان اور دیگر حکومتوں کے درمیان چپقلشیں پڑ جاتیں! اسکے بعد اس خزانہ فہم و دانش، حکمت و تدبر کے چند جواہر ریزے ملاحظہ ہوں:-

"کانفرنس کے اجلاسوں سے خارج اوقات میں اگر کوئی شخص سطح سے گزر کر معاملات کی تہ تک پہونچنا چاہتا، تو آسانی دیکھ سکتا، کہ ایک خاص ملک کے نمایندے، یعنی علی برادران کس طرح دوسرے دو ایک ملکوں کے نمایندوں کو اپنا ہمخیال بنانے میں لگے ہوئے تھے!"

اسکے آگے، دشمن فتنہ پردازوں کا یہ مقسوم ہم وطن و ہم مذہب "نمایندہ مشرق" اپنی سرکار دولتمدار کی ہواخواہی و وفاداری کے جذبہ سے بیقرار ہو کر اور ... ہو کر اسے ایک بڑے فخر سے یوں آگاہ کرتے ہیں:-

"ہندوستان کے واقفان شرق، ان دونوں بھائیوں کی ناکامیوں سے ہر شخص بھی واقف ہے، وہ سب یہ آسانی سمجھ سکتا ہے، کہ اپنے وطن کی واپسی پر وہ ابھی منہ نہیں دکھا سکتے۔ امید ہے، کہ سرکار ہند اب اس وقت قابل دید و دانا اور سیاسی رہنما محمد علی کا آئندہ ... کہ ہندوستان پر واپسی پھیلانے میں انکے جو کچھ پچھلے کارنامے ہیں، ان پر اضافہ کر سکے۔ رہے مسلمانان ہند، سو انکے حواس اس وقت اس درجہ منتشر ہیں، کہ وہ اس قسم کے پیشہ ور فتنہ پردازوں کی صداقت و عدم صداقت میں امتیاز نہیں کر سکتے"

اتنی زبردست فرد جرم لگ جانے کے بعد، اتنی صریح شہادت ثابت ہو جانے کے بعد، جرم ہو چکنے کے بعد، اس قدر خطرۂ عظیم کے احساس کے بعد، بھی اگر برادرم پیشہ محمد علی و شوکت علی وغیرہ اپنے تئیں قیادت و نظر بندی سے آزاد پاتے ہیں، تو بجز اسکے کہ اسے جہاں کے عالم والا ستاہے کے مراد ہم خیر و فلاح اور اصلاح کر پانے پر محمول کیا جائے، اور کیا کہا جا سکتا ہے!

حجاز کا شاہزادہ تماشاۓ فرنگ پر!

پچھلے ہفتہ ولایتی اخبارات کی جو ڈاک موصول ہوئی، وہ امیر فیصل، فرزند سلطان ابن سعود کے حالات سے لبریز ہے، جو سیاحت فرنگ کے لیے تشریف لیگئے تھے۔ ٹائمس، ڈیلی میل، ویسٹ منسٹر گزٹ، مانچسٹر گارڈین، ڈیلی ہیرلڈ، سنڈے ٹائمز، مارننگ پوسٹ، ڈیلی نیوز، شاید ہی لندن اور مضافات لندن کا کوئی اخبار ایسا ہو، جس میں شہزادہ موصوف کی تصویر نہ شایع ہوئی ہو، حالانکہ ابو الہیاج اسدی کی جس حدیث سے اہل نجد چیختے مزارات کے گرانے پر دلیل لاتے ہیں، ٹھیک اسی حدیث میں بالکل برابر درجہ کا حکم تصویر شکنی کا بھی موجود ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کیجیے۔ شہزادہ کا سن ۲۰ سال سے زائد نہیں۔ اس عمر میں آپ کے مشاغل کی جو فہرست شایع ہوئی ہے، وہ سنڈے ٹائمز کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہے۔ انگریزی ساخت کا شاہ دہ، جہاز کی سیر، پانو رشیوں کا ملاحظہ، گھوڑدوڑ، فٹ بال میچوں کی سیر، سرکس کے تماشے، سینماؤں میں شرکت اور تھیٹروں کی سیر! گویا "خدا کے گھر" کا نظارہ کرتے کرتے آنکھیں تھک چکی تھیں، اب خدا کی خلقت اور قدرت کے نمونے دیکھنا منظور ہیں! چنانچہ بعض تصویروں میں آپ کا فٹ بال میچ اور تھیٹر کے لیے تشریف لیجانا بھی دکھایا گیا ہے۔ گویا یہ مشاغل عین اتباع "کتاب و سنت" ہیں! ولایتی اخبارات آپ کی آمد پر جن خیالات و جذبات کا اظہار کر رہے ہیں، اسکا خلاصہ بھی خود اُنھیں کی زبان سے سننا بہتر ہوگا:-

"مشرقی مہمان ہماری سرزمین پر بہت سے آچکے ہیں، لیکن اس کمسن شاہزادہ کا سا حسین کوئی نہیں آیا۔ شہزادہ کا بیان ہے کہ میں پہلی ہی نظر میں لندن پر عاشق ہو گیا ہوں۔" (اسٹار)

"ہمارے نامہ نگار سے شہزادہ نے کہا، کہ میں تو لندن کی زندگی دیکھ دیکھ کر قدم قدم پر عش عش کرتا جاتا ہوں۔ مجھے آپ کے ملک کی سیر کی تمنا سالہا سال سے تھی۔ اور میں شاہ انگلستان کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ انھوں نے میرے والد کی حکومت حجاز کو تسلیم کر لیا۔" (سنڈے ٹائمس)

"شہزادہ نے جس وقت پلیٹ فارم پر قدم رکھا ہے، معلوم ہوتا تھا، کہ الف لیلہ کے کسی باب کا کوئی نمونہ نظروں کے سامنے ہے۔ چہرہ پر تبسم، حسن و رعنائی میں شاندار، صدہا مغربی عورتیں اس حسن کی داد دے رہی تھیں۔" (ڈیلی نیوز)

"ان عورتوں کی مسرت کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے، جنھیں مدتوں کی آرزو کے بعد، اس حسین و جمیل، جواہر پوش و خوش پوشاک نوجوان کا دیدار نصیب ہوا ہے۔" (ایسٹ انگلین ڈیلی ٹائمس)

یہ کس کا تذکرہ ہو رہا ہے؟ صحرائے عرب کے ایک سپاہی اور سپاہی زادہ کا؟ یا اندر سبھا کے شہزادہ گلفام کا؟ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا یا ناز حجاز؟ کے جان عالم کا؟ سب سے بڑھکر عبرت انگیز بیان پنجم وسٹ کا ہے، جو ۲۲- ستمبر کے پرچہ میں کمال مسرت و اطمینان لکھتا ہے کہ "دیکھیے! اب عالم اسلامی کا سب سے بڑا شہر رومی اپنا ہوگیا! ایک زمانہ تھا، جب ہم کو سلطان محمود کی واہیتی دہ رومی کا سودا کرنے کے لیے ۲۰ ہزار پونڈ سالانہ کی قیمت دینا پڑتی تھی، لیکن ہمارے سیاسی شاطروں کی زرکاندی نے اب اس زرنظری کو غیر ضروری بنا دیا ہے، اب سلطان ہمارے ہیں، اور ہم سلطان کے!"

سلطان کے حامیوں سے نہیں، دوستوں اور ہوا خواہوں کی خدمت میں باادب عرض ہے، کہ اس اتحاد، اس ارتباط، اس خلوص و محبت، اس سازباز پر آپ اپنے تئیں تہنیت و مبارکباد کا مستحق سمجھ رہے ہیں، یا تعزیت و ہمدردی کا؟ دو "تو" "آپ" کے جیسے کچھ ہو سکتے ہیں، آپ خوب جانتے ہیں، لیکن آپ "اگر" اُن "کے ہو گئے، تو پھر اس "دوستی" کے بعد کسی اور کی دشمنی کا امکان بھی باقی رہ جاتا ہے؟ مغربی تمدن، مغربی سیاست، مغربی حکومت ان میں سے کسی کی "دوستی" کا خمیازہ برداشت کرنا ابھی باقی ہے؟

ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو؟

جرم کا اقرار

یورپ کو اسوقت جن مصیبتوں نے خاص طور پر پریشان کر رکھا ہے، اُن میں سے ایک مرض سرطان بھی ہے۔ بعض علاقوں میں دس فی صدی آبادی اس مرض میں مبتلا پائی گئی ہے۔ اکثر صورتوں میں یہ مرض مہلک ثابت ہوتا ہے، ڈاکٹروں کی کمیٹیاں کی کمیٹیاں اسکے اسباب و علاج کی تحقیق میں مصروف ہیں، لیکن آج تک حیرانی و سرگردانی بدستور قائم ہے، اور ناکامی کا قدم جس مقام پر پہلے تھا، اب بھی ہے۔ لیکن آخر ستمبر میں انگلستان کے مشہور و معروف ڈاکٹر سر آربتھ ناٹ لین نے، نیو ہیلتھ سوسائٹی کے خطبۂ صدارت میں جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ سننے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا، کہ یہ مرض سوء ہضم سے پیدا ہوتا ہے، اور سوء ہضم کا سبب پُرخوری ہے۔

"ہم لوگ بیچارے غریب وحشیوں کا تذکرہ ترس کھا کر کرتے ہیں، حالانکہ اُنھیں شائستہ و متمدن قوموں سے کہیں زیادہ لطف زندگی حاصل رہتا ہے۔ وہ وہی غذا کھاتے ہیں، جسکی اُنھیں احتیاج ہوتی ہے۔ افریقہ کے زرد وحشیوں میں مرض سرطان کا پتہ تک نہیں۔" (ویسٹ منسٹر گزٹ)

گویا اب جا کر یہ ثابت ہوا، کہ کم خوری، اور کثرت روزہ داری کوئی ایسی بُری چیز نہیں، اور بزرگان مشرق جو ہمیشہ اسی کا وعظ کہتے چلے آئے ہیں، وہ سرتاسر حماقت ہی نہ تھی! اور اب اس اقرار کے بغیر بھی چارہ نہیں نظر آتا، کہ روح کی نہیں، جسم کی بھی بعض مہلک بیماریاں ایسی ہیں، جو تمدنی زندگی کے ترک سے نہیں، بلکہ اسکے اختیار کرنے سے پیدا ہوتی رہتی ہیں!

گلشن تہذیب کی تازہ بہار

مرغ بازی، بٹیر بازی اور پتنگ بازی کے دن اب ختم ہوگئے، کہ یہ ساری "بازیاں" تہذیب جدید کے قانون میں جُرم ہیں۔ اب جس قسم کی "بازیاں" جائز، رائج اور آئین تہذیب میں پسندیدہ ہیں، اُن میں سے ایک "مکا بازی" ہے، جسے انگریزی میں باکسنگ کہتے ہیں۔ دو حریف اکھاڑے میں اُترتے ہیں، ہاتھوں میں چرمی دستانے

ہوتے ہیں، اور ہر حریف دوسرے پر پوری خونخواری کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے، اور جو فتح پاتا ہے اُسے گراں قدر انعام ملتا ہے۔ پچھلے ہفتے اس قسم کا ایک مشہور مقابلہ، امریکہ کے علاقہ فلاڈلفیا میں ہوا۔ ایک حریف کا نام ڈمپسی تھا، جو اس وقت تک دنیا اقلیم کا تاجدار کہا جاتا تھا، اور دوسرے کا نام جان ٹنی تھا۔ اخبارات اور اشتہارات مہینوں پیشتر سے اس معرکہ کی خبروں سے بھرے رہتے تھے، جنھیں پڑھ پڑھ کر یہ گمان گذرنے لگا تھا، کہ شاید سارے نظام عالم کی بقا و فنا کا دارومدار اسی معرکہ کے فیصلہ پر ہے۔ تماشائیوں کے ٹکٹ کی فیس چار پونڈ (ساٹھ روپیہ) کا رکھا گیا تھا، پھر بھی ایک لاکھ پینتیس ہزار کا مجمع تھا! اتنے بڑے مجمع کی نشست کے لیے جس پیمانہ پر احاطہ بنایا گیا ہوگا، اُسکا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ شوقینوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی تھی، جو خود اس ہجوم میں نہیں شامل ہوئی، بلکہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے آلۂ لاسلکی کی مدد سے سب کچھ دیکھتی اور سنتی رہی۔

بہرحال ۲۳ - ستمبر کو معرکہ ہوا۔ اس معرکہ کی داستان سارے امریکی اور یوروپی اخبارات میں اس تفصیل اور اسی ذوق و شوق کے ساتھ چھپ رہی ہے، کہ گویا ہر اخبار اپنی جگہ پر ایک شاہنامہ ہے اور ہر وقائع نگار کے ہاتھ میں فردوسی کا قلم ہے! چنانچہ بہت سے اخبارات نے محض اس نتیجہ کو شائع کرنے کے لیے اپنے غیر معمولی ایڈیشن شائع کیے۔ معرکہ میں ڈمپسی کو شکست ہوئی اور ٹنی غالب رہا۔ معرکہ ایک گھنٹے سے کم تک قائم رہا۔ ڈمپسی نے جب دنگل سے باہر قدم رکھا، تو ناک ٹوٹی ہوئی تھی، ایک آنکھ شدید چوٹ کھا چکی تھی، دوسری آنکھ پر بھی ضرب آ چکی تھی، دونوں آنکھیں تقریبًا بند تھیں، ایک کلہ ورم سے پھول چکا تھا، دوسرا رخسارہ بھی زخمی تھا، چہرہ، ناک، اور آنکھ سے خون جاری تھا، صورت اتنی بگڑ چکی تھی، کہ دیکھنے والوں سے پہچانی نہیں جاتی تھی تماشائیوں میں سے ہزارہا عورتیں غش کھا کھا کر گر پڑیں! ڈمپسی جب اچھی طرح پٹ چکا، تو بچوں کی طرح خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دیا! یہ سب کچھ عین تہذیب کے مطابق، اور انسانیت کے قانون کے بالکل مطابق ہے!

شقاوت و سنگدلی کو بھی مشرقی وہم پرستی سمجھ کر اس سے قطع نظر کیجیے۔ مالی پہلو ملاحظہ ہو۔ ٹنی کو ۴۰ ہزار پونڈ کی رقم (۶ لاکھ روپیہ) انعام ملی ہے اور ڈمپسی کو ایک لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ (۲۱ لاکھ روپیہ) ملی۔ اور مسٹر ریکارڈ جو اس دنگل کے منتظم تھے، ایک لاکھ نوے ہزار پونڈ (۲۸ لاکھ روپیہ) کی!

مشرق کے کسی بڑے سے بڑے ثروت مند نے بھی اپنی دولت اس بیدردی کے ساتھ لٹائی ہے؟ ہم تو یہی روپیہ کی قدر کرتے ہوں اضافی شان ہے، کہ انکے تمدن، انکی معاشرت، کو خود ہمارے بھی بعض سربراہ اپنے سامنے بطور نمونہ عمل کے پیش کر رہے ہیں!

حب رسول کا امتحان

مولانا شوکت علی کی فروری اپیل پر ایک نظر

نظرے روزانہ اخبارات میں نظر سے گزری ہوگی۔ مسجد نبوی (اور اسی کے احاطہ میں روضۂ منورہ بھی ہے) آج فرش کی محتاج ہے، روشنی کی محتاج ہے، اور اپنے خادموں (مؤذن، جاروب کش وغیرہ) کو تنخواہیں دینے کو محتاج ہے۔ آپ کے دل سے پوچھتا ہوں، کیا آپ ان واقعات کو سنتے ہیں، اور سن کر ان کو گوارا کرتے ہیں؟ مسجد نبوی کی خدمت گزاری تو کوئی نزاعی و اختلافی مسئلہ نہیں۔ اتنے جزو پر تو حنفی و حنبلی، صوفی و وہابی، نجدی و ہندی، مقلد و غیر مقلد، سب کا اتفاق ہے، پھر ایک متفقہ مسئلہ اور مسئلہ ضرورت سے بے اعتنائی و بے التفاتی کس بنا پر ہے؟

اس الجھاؤ میں نہ پڑیے، کہ وہاں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اگر گھر میں آگ لگتی ہے، تو سب سے پہلے اُسے بجھانے کی فکر ہوتی ہے، اسباب کی تحقیق کا وقت دوسرا ہوتا ہے۔ کوئی عزیز بیمار پڑتا ہے، تو دل کی لگن اسکی تندرستی کے پیچھے ہوتی ہے، مرض کا اصطلاحی نام جاننا بالکل ضروری نہیں ہوتا۔ روضۂ رسول و مسجد نبوی کی یہ حالت سنکر، اگر آپ مسلمان ہیں، اگر آپ محمدؐ رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں، اگر آپ کا ایمان محمدؐ کی شفاعت پر ہے، تو معًا آپ کے دل میں تڑپ پیدا ہونی چاہیے، اور اپنی بساط بھر ضرورت کے رفع کے لیے بلا توقف و تامل آمادہ ہو جانا چاہیے۔ سلطان ابن سعود کو گالیاں دینے والے آج بہت سے ہیں، آپ بجائے گالیوں کے، اُس کام کی سعادت اپنے ذمہ لیں، جو سلطان کے کرنے کا تھا۔ سلطان کی حمایت کرنے والے بھی آج بہت سے ہیں، آپ بجائے مناظرہ و مجادلہ کے، عمل سے سلطان کی حمایت کریں، یعنی وہ کام خود کریں، جو سلطان کو کرنا چاہیے تھا۔ سلطان کی موافقت و مخالفت، دوستی و دشمنی، دونوں کی سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ، اور سب سے پسندیدہ صورت یہی ہے، کہ آپ مسجد نبوی و روضۂ مبارک کی خدمت کی سعادت، اپنے حبیب کے لائق اپنے حصہ میں لیں، اور حضرت رسالتمآبؐ کی روح مبارک سے رضامندی کی سند حاصل کریں۔

آپ اپنے لیے فرش فروش خریدتے رہیں، اور مسجد نبوی کا بوسیدہ و دریدہ فرش بھی باقی نہ رہ جائے، آپ کی کوٹھی برقی روشنی سے جگمگاتی رہے، اور مسجد نبوی خدا نخواستہ ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے بھی بے نور ہو جائے۔ آپ اپنے نوکروں چاکروں کو خاطر خواہ تنخواہیں دیتے رہیں، اور آقا کا، اور رسول کے خادم روٹیوں کو ترسیں۔ یہ صورت حال آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا ہو سکتی ہے؟ دفتر خلافت ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی جانب سے چار سو روپیہ کی رقم کا وعدہ کر آیا ہے۔ ترک اپنے زمانہ میں ۴۰ ہزار زر سرخ سالانہ اس مد پر خرچ کرتے تھے، آپ کا پانچ ہزار کا زر سفید اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے، لیکن جہاں تک آپ کے اجر و ثواب کا تعلق ہے، آپ کی چھوٹی سی چھوٹی اور حقیر سے حقیر رقم بھی، اللہ کے ہاں بھاری اور عزیز ہے، اور اگر خلوص کے ساتھ دی گئی ہے، تو یہی حقیر رقم، کیا عجب ہے، کہ آپ کے لیے ایک بڑا سہارا ثابت ہو!

مدیرِ "الامان" کا مقدمہ

ہمسر "الامان" (دہلی) پر فوجداری عدالت میں جو مقدمہ قائم ہوا تھا، مقام مسرت ہے کہ حکومت نے تنبیہ و وعدے کے ساتھ اسے بھی واپس لے لیا۔ مقدمہ کی بنا محض اتنی تھی، کہ انعام متوجہ متعلق ایک پرانا فتویٰ جو مدت ہوئی دوسرے مقامات میں چھپ چکا تھا، اخبار میں شائع ہوا تھا۔ اس لحاظ سے مقدمہ کی واپسی بہت ہی مناسب ہوئی، ... قیمت ہوا کہ اب بھی حکومت کے کارکنوں کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا اور مقدمہ

مقدمہ از خود واپس لے لیا۔

شیریں زبانی کا ایک نادر نمونہ

سرکار برطانیہ کے ذمہ دار و مقتدر وزیروں اور عہدہ داروں کا ذکر جس لب و لہجہ میں خود اہل برطانیہ کرتے رہتے ہیں، اُسکا نمونہ ان صفحات پر بارہا دکھایا جا چکا ہے، ایک دلچسپ اور تازہ نمونہ سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ عبارت لندن کے مشہور ہفتہ وار "لینسبریز لیبر ویکلی" کے اُس مضمون سے ماخوذ ہے، جو اُس نے ۲۰- ستمبر کے پرچہ میں "وزیر اعظم برطانیہ" پر نہایت جلی قلم کے ساتھ شائع کیا ہے:-

"مسٹر بالڈون جو تمام کذابوں کے سردار (یعنی ابلیس) کے فضل و کرم سے برطانیہ کا وزیر اعظم ہے، آج پھر اُس کی بابت کا ثبوت مل رہا ہے، کہ اُس سے زیادہ نالائق اور اُس سے بڑھکر طاقت آج تک حکومت کی سرداری نہیں ملی تھی۔ اس ملک میں جو سب سے زیادہ شرمناک اور سب سے زیادہ ذلیل ہم اکاذیب اور دھوکوں کی ہوئی ہے، اسکے سہارے وہ انتخاب میں آگیا، اور اپنے ہر قول اور ہر وعدہ کو توڑ کر اُس نے ثابت کر دیا، کہ جیسی دروغ ہوتی ہے ویسے ہی فرشتے بھی ہوتے ہیں۔۔۔۔

اس چرب زبان شخص کو جن ووٹوں نے اس منصب پر پہونچایا تھا، اُنکی غلامی کا حق اس نے ادا کر دیا۔۔۔۔ اب ہمیں بالڈون اور اُسکے سارے دم کٹے ہاتھیوں کو نکال باہر کرنا ہے، اور ابھی نکال باہر کرنا ہے"

یہ لہجہ برطانیہ کے وزیر اعظم اور دوسرے وزراء سلطنت کے لیے ہے۔ ہم سارے ملک کے حاکم نہیں، صوبہ کے حاکم نہیں، خود اپنے ضلع بلکہ اپنی تحصیل ہی کے حاکم کے متعلق بھی یہ زبان استعمال کر سکتے ہیں؟

آئین پرستوں کی بے آئینی

انگلستان کی آئین پرستی ضرب المثل ہو چلی ہے۔ بڑے بڑے مبصروں کا بیان ہے، کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، انگلستان اپنے ہاں کے قانون و آئین کو نہیں توڑ سکتا، آئین کی پرستش اُسکی سرشت میں داخل ہے۔ اسی آئین پرست سرزمین کا ایک ہفتہ وار پرچہ، اپنی جماعت کے جذبات ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:-

"اب ملک کی حکومت آئینی و جمہوری نہیں رہی ہے، بلکہ علانیہ سرمایہ داروں کی زبردستی کا نام ہو گئی ہے۔ صابری کی سزا جیلخانہ قرار پائی ہے، اور فاقہ کش مردوں، عورتوں اور بچوں کا حق زندگی علانیہ سلب ہو گیا ہے، بجز زبردستی کی مجبوری کے، اور ہر طرح ایسی حکومت کی اطاعت و وفاداری بے معنی ہے"۔ (لیبر ویکلی، ۲۵- ستمبر ۱۹۲۶ء)

ہندوستان کے "شورش پسندوں" نے کیا کبھی بھی اس سے زیادہ کچھ کہا ہے؟ جس حکومت کے خود اپنے بھائی بند، اُس کی سختیوں اور سخت گیریوں سے تنگ آکر جنگ و بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہوں، کیا اُسکے خلاف، اُنکو جنہیں غلامی ہی کے حقوق میسر ہیں، ہمیشہ "صبر و شکر" و "تسلیم و رضا" کو اپنا شیوہ بنا لینا چاہیے؟

جمہوریت اور اسلام

نمبر (۲)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تصریحات

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

(ترجمہ) اور اُنکے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں

(تفسیر) اور اُنکے ذاتی، خصوصاً قومی، بالخصوص سیاسی کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں، کہ دنیا میں کوئی انسان عقل کل نہیں، اسلیے خود رائی سے کام کرنے میں غلطی کا ہونا بہت اقرب اور آسان ہے، بہ نسبت مشورہ کے۔ اسی لیے یہ لوگ مشورہ سے کام کرتے ہیں، گو انکا یہ کام دنیاوی ہو، تاہم چونکہ ماتحت حکم شرعی کے کرتے ہیں، اس لیے اجر کے مستحق ہوتے ہیں" (تفسیر ثنائی جلد ۷، صفحہ ۹۳)

(حاشیہ) .... اہل سنت کہتے ہیں، کہ انتخاب کا طریقہ یہی ہے، جو اس آیت میں مذکور ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ مسلمانوں کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں، یعنی مشورہ سے ہونے چاہئیں۔ امرھم شوریٰ بینھم۔ مطلب اس آیت کا عام ہے، جیسی طرف ہم نے تفسیر میں اشارہ کیا ہے، مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں مسلمانوں کو جمہوریت اور مشورہ سے کام کرنا سکھایا ہے۔ (ایضاً)

اسکے بعد امیر المومنین حضرت علیؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے، جسکا ترجمہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔ "شوریٰ" کا ترجمہ ہر جگہ "اکزیکٹو کونسل" سے کیا ہے

"تحقیق مجھ سے ان لوگوں نے بیعت کی ہے، جنھوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے بیعت کی تھی، اور اسی شرط پر کی ہے جس شرط پر اُنکے ساتھ کی تھی، پس نہ حاضر کو اب اسکے خلاف رائے دینے کا حق ہے نہ غیر حاضر کو رد کرنے کی اجازت ہے۔ سوا اسکے کوئی بات نہیں کہ شوریٰ (اکزیکٹو کونسل) مہاجرین و انصار کی ہے، پس اگر وہ کسی شخص پر جمع ہو کر اسکا نام امام (خلیفہ) رکھیں تو خدا کے ہاں وہی پسندیدہ ہوگا۔ اگر کوئی بطور طعن یا بدعت کی وجہ سے ان ممبران شوریٰ کے فیصلہ سے نکل جائے تو وہ ممبران شوریٰ (یا اکزیکٹو کونسل کے ارکان) اسکو مجبور کر کے اسی حال میں واپس کریں گے جس سے وہ نکلا ہے۔ اگر وہ اس میں آنے سے انکار کرے، تو وہ اُس سے لڑیں گے، کیونکہ اس نے غیر مومنین کا راستہ اختیار کیا، اور جدھر گمراہی کی طرف وہ پھرا، خدا اسکو اسی طرف پھیر دیگا:

اس خط میں جو شوریٰ مہاجرین کا ذکر ہے، وہ اسی آیت کے ماتحت ہے، جس میں مسلمانوں کا طریق کار بتایا ہے۔ امرھم شوریٰ بینھم۔ پس یہ آیت اور یہ روایت مسئلہ خلافت کا صاف لفظوں میں فیصلہ کرتی ہے کہ خلیفہ کا عزل و نصب ممبران شوریٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو کا اصول یہی ہے کہ جس کسی کو مجلس شوریٰ خلیفہ بناوے، وہی خلیفہ راشد ہے، اور خلفاء اربعہ کو شوریٰ نے خلیفہ بنایا، لہذا وہ خلیفہ راشد تھے۔

(ایضاً صفحہ ۱۲)

نئی کتابیں

(۱) البدر - مولفہ مولوی محمد ضیاء الدین صاحب، اُستاد جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔ ضخامت ۱۰۰ صفحہ - قیمت درج نہیں۔ پتہ بھی درج نہیں، غالباً دفتر مشرق، گورکھپور -

مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی سیرۃ النبی کو جو غیر معمولی شہرت و مقبولیت ملک میں حاصل ہوئی، اُس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے، کہ اُن کے دشمن اور نکتہ چیں بھی ایک اچھی خاصی تعداد میں پیدا ہو گئے ہیں، جو مختلف پہلوؤں سے سیرۃ کی شہرت کو مٹانے کے درپے ہیں۔ اسی قسم کی کوشش کا ایک تازہ نمونہ پیش نظر رسالہ ہے۔ رسالہ کا مقصد سرورق پر ان الفاظ میں درج ہے:

"اصول روایت و درایت اور فلسفۂ تاریخ کے معیار سے حقیقی اسباب غزوۂ بدر کی تحقیق اور اسکے متعلق بڑے بڑے نامور محققوں کے بیانات کی مدلل تنقید پر لاجواب تصنیف"

اور مصنف کا نام، غایت انکسار کے ساتھ یوں لیا گیا ہے:-

"عالم لبیب، فاضل لوذعی، علامۂ عصر، محقق دہر، حضرت مولانا مولوی محمد ضیاء الدین عثمانی، مدظلہ العالی"

ایسے الفاظ سرورق تک محدود نہیں، متن کتاب میں بھی جناب مصنف اپنے رسالہ کو "محققانہ فیصلہ" سے موسوم فرماتے ہیں!

اس "علامۂ عصر و محقق دہر" نے اس لاجواب تصنیف میں مدلل تنقید کا جو لب و لہجہ اختیار فرمایا، اُس کا اندازہ ذیل سے ہوگا:-

"پہلے چند لوگوں نے یہ کام کیا، مگر اپنی کم علمی یا کم مائگی کی وجہ سے ناقص چھوڑ دیا۔ اسکے بعد ہمارے زمانہ کے ایک مؤرخ نے جو بزعم خود اُن لوگوں کے بہ نسبت علم و فضل میں زیادہ دستگاہ رکھتے تھے، اپنے نزدیک اس کام کو مکمل کر دیا" (صفحہ)

"پہلے ول میں ذرہ برابر بھی نور ایمان ہے، وہ کبھی ایسے برگزیدہ لوگوں کے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتا" الخ (صفحہ)

"یہ لوگ دھوکے سے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لیے اس خط کا صرف وہی ایک فقرہ جس سے ان کا اپنا مطلب نکلتا ہے، نقل کرکے بقیہ خط کو چھپا جاتے ہیں اور ... بعض وکفر ببعض کے مصداق بنتے ہیں" (صفحہ)

"سراپا بہتان و افترا" (صفحہ)

"یہ انتہائی ناانصافی ہے یا محض آنکھ بندی و فریب دہی ہے" (صفحہ ۲۱)

"مستدل نے اس دلیل میں عربی سے ناواقف مسلمانوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں پھانسنے کے لیے شاعرانہ تخیل سے کام لیا ہے.... آج کل نام کے محقق جو طرز استدلال سے نا اہل ہوتے ہیں، عام لوگوں کو پھانسنے کے لیے ایسے ہی دام تزویر بچھاتے ہیں..... چنانچہ جاہلوں پر انکا جادو چل جاتا ہے" (صفحہ ۱۰۲)

"مستدل نے کیسا زبردست دھوکا دیا ہے" (صفحہ)

"کتنی بڑی تلبیس" (صفحہ) "زبردست تہمت" (صفحہ) "افترائے محض" (صفحہ)

اسی کا نام "مدلل تنقید" ہے؟ جو لوگ اپنی زبان سے اپنے تئیں علامۂ عصر و محقق دہر" کہتے ہیں، اُنکی یہی ذہنیت ہوتی ہے؟ "فلسفۂ تاریخ" اور "اصول روایت و درایت" کا یہی نمونہ ہے؟ مولانا شبلی یقیناً معصوم نہ تھے، ممکن ہے، اسباب غزوۂ بدر بیان کرنے میں اُن سے کچھ بشری فروگذاشتیں ہوگئی ہوں، اُنکی تصحیح نرم، شائستہ و شریفانہ زبان میں آسانی کی جا سکتی تھی، لیکن اُنکی تحقیر کرنا، اُنکو فریب کار اور دھوکہ باز کی حیثیت سے پیش کرنا، اُنکی دستگاہ علمی پر مضحکہ کرنا، خود اپنی تصنیف کو قابل بنا دینا، اور بازار خاک اُڑانے کی کوشش کرنا ہے۔ جن بزرگوں کے علم و دیانت کا خود یہ حال ہو، کہ "جاہدوا" کا ترجمہ وہ "ہجرت" سے کرتے ہوں (صفحہ)، انکے تماشہ کی بات ہے، کہ وہ بار بار مصنف سیرۃ النبی کے "علم و فضل" پر مضحکہ فرماتے ہیں!

غذائے روح - مترجمہ پنڈت پربھو دیال صاحب عاشق لکھنوی، صفحات ۸۰، ملنے کا پتہ:- سری صدر آشرم جہانگیر آباد (ضلع بارہ بنکی) - (حجم متوسط) قیمت ۸ر

بھگوت گیتا، جس میں سری کرشن جی کا سارا فلسفۂ وحدانیت و تصوف آگیا ہے، ہندو مذہب کی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ اردو میں اس کے ترجمے بھی کئی ہو چکے ہیں۔ پیش نظر رسالہ اسکا تازہ ترین منظوم ترجمہ ہے۔ شروع میں ایک مفصل دیباچہ اور جا بجا تصویریں بھی ہیں۔ گیتا کی تعلیم قرآن مجید کی تعلیمات سے بہت ملتی جلتی ہوئی ہے۔ ایسی کتابوں کا اصل لطف ترجمہ، اور پھر منظوم ترجمہ میں ناممکن ہے۔ تاہم مترجم صاحب نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے، اور انکی کوشش داد و حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔ جو اردو خواں ہندو تصوف و فلسفۂ عمل کا مطالعہ کرنا چاہیں، وہ ضرور اسے پڑھیں۔

(بقیہ صفحہ ۸)

دور کر اُسکے پاس کھانے پینے اور پہننے کو کچھ بھی نہ تھا جسکی وجہ سے گداگری پر مجبور ہونا پڑا۔ اس واقعہ سے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ کس قدر سیدھے ہوتے ہیں کہ وہ ایسے بدمعاشوں کی نمائشی حالت پر ترس کھا کر اُنکی امداد کر بیٹھتے ہیں اس قسم کے فریبی گداگروں کے لیے لندن ایک خزانہ زریں ثابت ہوا ہے، جب انکو گرفتار کیا جاتا ہے تو انکے پاس سے بڑی بڑی رقمیں نکلتی ہیں۔ یا انکی جیبوں میں بنک کے چک پائے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنک میں انکے نام پر کتنا روپیہ جمع ہے۔

گداگری بھی ایک قسم کا منفعت بخش پیشہ ہے بشرطیکہ گداگر ایک چالاک اور ہوشیار آدمی ہو۔ لباس، وضع قطع، رفتار گفتار وغیرہ بدلنے میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ اُسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کس قسم کا عضو مفلوج لوگوں کو اسکی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوگا۔ حال ہی میں نیویارک (امریکہ) کی ایک پولیس کورٹ میں، ایک مقدمہ کے دوران میں، اس بات کا پتہ چلا کہ وہاں ایک کارخانہ قائم ہے جو اس قسم کے مفلوج و مجروح اعضاء اور گہرے دردناک مصنوعی زخم تیار کر سکتا ہے جو فوراً تیزابات اور دوائی وغیرہ کے ذریعے ڈالے جاتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک خاص قسم کی غمگین صورت بنا نا سکھایا جاتا ہے جو ایک ناشکستہ آدمی کے لیے موزوں ہو۔ اسی طرح ایک تندرست آدمی کی شکل میں تبدیلی کرنا صرف چند لمحوں کا کام ہے!

لنڈن میں گداگری

(از قاضی احمد میاں اختر صاحب جوناگڑھی)

ہمارے اہل ملک کے ان مغرب پرستوں کو جو یورپ کے ہر نقل کو بنظر استحسان دیکھنے کے عادی ہیں یہ سنکر تعجب ہوگا کہ لنڈن جیسے تہذیب و تمدن کے مرکز میں بھی گداگری کا مرض پھیلا ہوا ہے۔ اور روز افزوں ترقی ہوتا جاتا ہے۔ گداگری کے جو عجیب و غریب طریقے وہاں کے لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں وہ ہمارے مفلس اور نادار ہندوستان کے بھکاریوں کو خواب میں بھی نظر نہیں آ سکتے۔ آئے دن انگریزی اخبارات اس جرائم پیشہ "فرقہ" کی روداد میں شایع کرتے رہتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا "غیر مہذب" ملک اسکے مقابلہ میں ابھی گیا گذرا نہیں ہے۔ چنانچہ لنڈن کے ایک مشہور روزنامہ سے بعض دلچسپ واقعات نقل کرتے ہیں۔ جو امید ہے کہ دلچسپی سے پڑھے جاینگے۔

لنڈن میں بھیک مانگنے کے لیے ایک چلتا ہوا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے گداگر گود میں اٹھانے کے قابل بچوں کو (جو روزانہ ۲ پنس پر کرایہ پر مل سکتے ہیں) گود میں لیکر دردناک طریقہ سے انکی حالت زار سنا کر مانگتے پھرتے ہیں۔ بڑی عمر کے بچوں کی حالت اس سے زیادہ ناگفتہ بہ ہے کہ وہ گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے اور نیم فاقہ کشی کی حالت میں دریوزہ گری کرتے نظر آتے ہیں۔ ان بچوں کو خاص طور پر جھوٹ بولنا سکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ کبھی کبھی وہ دو دو پہر گھر سے دن کو انکے پاس سے ۲ و ۳ شلنگ (یا اسی قسم کی کوئی اور رقم) گم ہوگئے ہیں جو انکی ماں نے انہیں کسی کام کیلئے دیئے تھے اور اب وہ بغیر اس رقم کے گھر واپس نہیں جا سکتے کیونکہ انہیں سخت سزا ملنے کا خوف ہے۔

بعض اوقات ان گداگروں کے کپڑوں کی تلاشی لینے پر انکے قریب قریب انکے کپڑوں میں پائی گئیں۔ جن میں یہ لوگ اپنے کم سوال اسباب جو دیئے ہوئے جمع کرتے ہیں۔ گذشتہ سال دو گداگر گرفتار کیے گئے تھے ان کا طبی معاینہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ جسمانی لحاظ سے چاق چوبند اور مضبوط و تندرست ہیں اور اسقدر متمول ہیں کہ انکے پاس انکی اپنی موٹریں ہیں! ایک گداگر جو اپنے تئیں مفلوج بتاتا تھا ایک کرایہ کی گاڑی میں بیٹھکر مانگنے نکلتا تھا۔ ان گداگروں کی تعداد گلی کوچوں میں بھیک مانگنے والوں تک محدود نہیں ہے بلکہ خط لکھنے والے گداگروں کی ایک زیادہ کثیر ہے جن میں سے بعض کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ وہ ہفتہ میں پچاس پونڈ تک بیں جمع کر لیتے ہیں!

یہ گداگر باقاعدہ کام کرتے ہیں۔ چنانچہ انکا ایک خاص رسالہ (Beggars Who's Who) کے نام سے شایع ہوتا ہے۔ اس میں ہزارہا مخیر طبع لوگوں کے نام شایع کیے جاتے ہیں جنسے انہیں کوئی نہ کوئی چیز ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ صحیح طور پر ایک سچے گداگر کی شناخت کا طریقہ کیا ہے؟ کہ پولیس ہر اس قسم کے آدمی کی تفتیش کیا کرے کیونکہ ان میں ۹۰ سے لیکر ۹۵ فی صدی گداگر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔

حال ہی میں کسی سابق فوجی سپاہی نے یہ کہکر بھیک مانگنا شروع کردیا کہ فوج سے علیحدہ ہونے پر اسے پنشن نہیں ملی۔ (باقی پھر)

مولانا سید سلیمان ندوی کی تقریر

سلطان ابن سعود کے سامنے

(مولانا محمد علی نے موتمر میں سلطان کے سامنے جس آزادی و بیباکی سے تقریر فرمائی اس کا تذکرہ وہ اخبارات میں کثرت سے آچکا ہے۔ ذیل میں مولانا شوکت علی کے قلم سے اس تقریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو رئیس وفد خلافت مولانا سید سلیمان ندوی نے موتمر میں ارشاد کی تھی)

مولانا سید سلیمان صاحب نے مسئلہ مقابر و آثار پر ایک پر زور تقریر کی۔ اور آیات و احادیث تاریخ و سیر کے حوالے سے اپنے دعا کو ثابت کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہاں مجلس خلافت کی طرف سے تین باتیں لیکر آئے ہیں۔ اول یہ کہ کتاب و سنت کے ساتھ ان امور میں وسعت دینی چاہیے جن میں خود صحابہ کرام اور تابعین مختلف تھے۔ مقرر نے اسکی متعدد مثالیں احادیث اور عمل صحابہ سے پیش کیں۔ دوسری یہ کہ دوسری چیز یہ ہے کہ کتاب و سنت کی اتباع کا سبب سے پہلا نتیجہ خود حکومت کو ہونا چاہیے کہ طرز عمل کے مطابق خلیفہ کا انتخاب شرعی ہو اور وراثت سے پاک ہو۔ تیسری چیز مقابر اور آثار کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں جان لینا چاہیے کہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ مقابر اور آثار۔ اور ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ مسئلہ مقابر کی نسبت بناء علی القبور اور تجصیص القبور وغیرہ کی مخالفت آئی ہے۔ گو ایک گروہ فقہا کے نزدیک اسکے معنی کچھ اور ہوں۔ اس بنا پر اگر سلطان تمام دنیائے اسلام کے فیصلہ کا انتظار کرتے تو یقیناً کوئی نقصان نہ تھا۔ اور اس طرح خودسری کی بجائے انکی ذات یا اہل نجد کے نام دھبا پڑ جاتی۔ آثار سے مراد وہ مقامات ہیں جنکو انبیا یا صحابہ کی طرف کسی حیثیت سے نسبت ہے۔ قرآن اور حدیث و آثار سلف میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان آثار پر عمارتوں کے بنانے یا مسجد بنانے سے منع کرتی ہو۔ بلکہ قرآن پاک، احادیث، سیر اور آثار میں ایسے آثار کا ذکر ہے۔ اس بنا پر ان آثار کی عمارتوں کو منہدم کر دینا شدت اور غلو کے سوا کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ جاہل مسلمان وہاں بعض غیر شرعی اعمال کرتے ہیں۔ ان اعمال کو روکنا چاہیے تھا۔ یا بعض عمارتیں غیر شرعی طور پر یا غیر مستند طور پر بنائی گئی تھیں تو انکی تصحیح کیجاتی۔ مثلاً مولد نبوی صلعم (جائے پیدائش حضور) کی موجودہ شکل یقیناً صحیح نہ تھی کہ زمانہ سلف میں اسکی شکل مسجد کی تھی جس میں نماز پڑھی جاتی تھی مگر موجودہ شکل مستقیم مولد کے کمرہ کی بنائی گئی تھی جو صحیح و مستند نہ تھی۔ اسلیے درست کر دینی چاہیے تھی اور خلاف شرع ... مثلاً ... وغیرہ بنائی جا سکتی تھیں مگر نفس عمارت کو توڑ ڈالنا شدت اور غلو کی انتہا ہے۔ مقام ابراہیم، سقایہ، مروہ، چاہ زمزم وغیرہ تمام آثار باقی ہیں۔ کیا انکو بھی منہدم کر دیا جائیگا؟ (خلافت)

خلافت

(از جناب مولوی برکت اللہ صاحب بھوپالی)

اس بارے میں مسئلہ خلافت پر تاریخی و مذہبی نقطہ نظر سے مدلل بحث کیگئی ہے۔ خلیفہ کون ہو، کہاں ہو اور خلافت کے لوازم وغیرہ کیا کیا ہونا چاہئیں۔ مسلمانوں کے رائج خیالات اور انکی مخالفین وغیرہ۔ ملنے کا پتہ: مہتمم سچ لکھنؤ۔ قیمت ۸ آنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند کتابیں

الناظر

اردو کا مشہور رسالہ ... [illegible]

المشتہر الناظر لکھنؤ

تاریخ عرب

قبل اسلام ... [illegible]

قیمت [illegible]

میلاد النبی صلعم

مشہور ... [illegible]

قیمت [illegible]

نغمۂ حرم

[illegible]

قیمت ۱۲ [illegible]

تفسیر الفرقان فی معارف القرآن

[illegible]

کلید خزائن اردو

اگر قرآن شریف کی کوئی آیت تلاش کرنا ہو یا آپ ... [illegible]

کشاف الہدی

مشہور ... [illegible]

ترجمہ ابن خلدون معہ مقدمہ

[illegible]

مصنفین اردو

اردو کے تین سو سے زائد مشہور و مقبول مصنفین کی ... [illegible]

قیمت [illegible]

علوم القرآن

[illegible]

بصائر القرآن

[illegible]

تصوف اسلام

[illegible]

قیمت [illegible]

آئینہ حقیقت نما

[illegible]

قیمت [illegible]

پیام امن

[illegible]

قیمت [illegible]

حقایق اسلام

[illegible]

قیمت [illegible]

تاریخ الحرمین الشریفین

[illegible]

قیمت [illegible]

جدید دور اسلام

[illegible]

قیمت [illegible]

تجرید بخاری معہ ترجمہ

[illegible]

انتخاب صحاح ستہ

[illegible]

مسلمانان اندلس

[illegible]

قیمت [illegible]

جزاء الاعمال

[illegible]

مستقبل اسلام

[illegible]

نامہ نجد

[illegible]

ملنے کا پتہ — الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

باہتمام حقیر الانام اسحاق علی علوی مالک و مہتمم الناظر پریس لکھنؤ میں طبع ہوا